© rasailojaraid.com

اسلامی نظام عدل اور معاہدۂ عمرانی

جناب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

اسلامی نظام کا قیام کیسے ممکن ہو؟ یہ ایک سوال ہے جسے حل ہونا چاہیے مگر صرف ایک نظام عدل ہی کے قیام کا مسئلہ نہیں بلکہ ہمارا کوئی مسئلہ خواہ وہ علمی ہو یا عملی، اخلاقی ہو یا روحانی، عمرانی ہو یا معاشی، سیاسی ہو یا بین الاقوامی مصطفوی انقلاب کے بغیر حل نہیں ہو سکتا۔

عدل گستری کی خاطر نظام عدل کے قیام کی جو مساعی دنیا میں ہو رہی ہیں۔ ان . . . کی کسی کوشش اور سعی سے عدل اس لیے متصور نہیں ہو سکتا کہ اسلام کے علاوہ باقی تمام مذاہب عدل و انصاف کو حیات اخروی پر منحصر رکھتے ہیں اور انسانی استعداد کے زائیدہ فکر کی رو سے ذات باری تعالیٰ کا اثبات حتمی قطعی اور یقینی طور پر متصور نہیں ہو سکتا لہٰذا قدرتی حقوق تو مسلم ہو سکتے ہی نہیں اس لیے تمام انسانی حقوق رسم و رواج ہی سے اخذ کئے جا سکتے ہیں اور ایک مستند ریاست کے فیصلے ہی اُن کے رد و قبول میں مؤثر ہوں گے اور صحیح معنی میں ایک فلاحی ریاست کے وجود میں آنے کے لیے صرف ایک ہی شرط کا پورا ہونا ضروری ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ سیاسی تناقص رفع ہو جائے اور سیاسی تناقص کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی کے بغیر رفع ہو سکتا ہی نہیں۔

سیاسی تناقص یہ ہے کہ جب کوئی معاشرہ سیاسی طور پر منظم ہو کر ریاست کی شکل اختیار کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں مطیع اور مطاع وجود میں آجاتے ہیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطاع کو قانونی طور پر یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ مطیعوں سے جبراً اطاعت طلب کرسکے اگر اطاعت کا مطالبہ ہوس اقتدار کی تسکین کے لیے کیا جائے تو مستبد نظام قائم ہوجاتا ہے اور سیاسی تناقض کا رفع ہونا ناممکن ہوجاتا ہے لیکن ہوس اقتدار ہی حیات انسانی کے سیاسی پہلو کی وہ خاصیت ہے جو اصلاح پذیر نہ ہو تو ریاست کے محصولات ''لوٹ'' بن جاتے ہیں، پولیس دہشت انگیزی کا مظہر ہوکر رہ جاتی ہے .... اور عدالتیں عدل و انصاف کی قربانگاہوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔

مطلق العنان ملوکیت، آئینی ملوکیت اور جمہوریت کے حوالے سے جو بحثیں جدید سیاسی فکر میں عمرانی معاہدے کے موضوع پر ہوئی ہیں اُن کی حیثیت ایک افسانے سے زیادہ نہیں ہے۔ ہابس، لاک اور روسو نے جس معاہدۂ عمرانی پر بحث کی ہے وہ تاریخ میں کبھی واقعہ کے طور پر وجود میں نہیں آیا تھا۔ ہابس کے معاہدۂ عمرانی میں بادشاہ فریق کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ وہ طاقت سے نظام قائم کرتا ہے اور لوگ اپنے مفادات یعنی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی خاطر اقتدار اور حاکمیت تسلیم کرتے ہیں۔ بادشاہ کے صرف حقوق ہیں اور یہ حقوق بقدر اس کے غلبے کی شدت کے مسلّم رہتے ہیں۔

جب عوام میں شعور پیدا ہوتا ہے یعنی قوت کا شعور اور بادشاہ کے کردار میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے اقتدار کی حفاظت کی خاطر چند آئینی پابندیاں قبول کرلیتا ہے، یہ لاک کے معاہدۂ عمرانی کی حیثیت ہے اور روسو کا معاہدۂ عمرانی سرتاسر عوام کے درمیان ہے یعنی اقتدار عوام کا حق ہے۔ وہ اپنے اندر کچھ لوگوں کو اختیارات تفویض کرکے ایک نظام کی پابندی اپنے اوپر خود لازم کرتے ہیں، یہ جمہوریت ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر یہ معاہدۂ عمرانی تاریخی حیثیت سے کبھی وجود میں نہیں آیا۔ ان تینوں مفکرین نے معاہدۂ عمرانی کی جو وضاحت کی ہے، اس کی حیثیت یہ ہے کہ اگر معاہدہ عمرانی وجود میں آیا ہوتا تو جس طرح ہابس لاک اور روسو نے اپنے تخیل میں سمجھا ہے، یوں ہوا ہوتا۔

اس کے برعکس ایک معاہدہ عمرانی اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے حکم ربانی کے تحت وجود میں آتا ہے جس کی اساس کلمہ طیبہ ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت "مطاع" کی ہے اور مہاجرینؓ انصار اور مشرکین و یہود "مطیع" کی حیثیت سے اس معاہدے میں فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ معاہدہ "میثاق مدینہ" کے نام سے ایک تاریخی حقیقت ہے اور یہ میثاق تاریخ انسانی میں اولین تحریری دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے قرآن اپنے ماننے والوں سے جس معاہدۂ عمرانی کا مطالبہ کرتا ہے اس کی پہلی بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ مطاع مطلق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت متصور نہیں ہو سکتی اور یہ کہ ان کی اطاعت احتمال خطا سے پاک ہے۔ یہ معاہدہ عمرانی بیعت سے وجود میں آتا ہے یہی اسوۂ مبارک ہے جس کی پیروی سے خلافت راشدہ وجود میں آتی ہے جس کا ایک وظیفہ نظام عدل کو قائم کرنا بھی ہے اور اسلام کا موقف یہ ہے کہ "عدل" حیات ارضی میں قبل از مرگ زندگی میں وجود میں آنا چاہیے۔ خلافت راشدہ سیاسی عمل کا معیاری نمونہ ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں سیاسی فکر و عمل کے زوال کی ابتداء ملوکیت سے ہوتی ہے کیونکہ کلمہ طیبہ کی بنیاد پر معاہدہ عمرانی کے برقرار نہ رہنے سے سیاسی فکر و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل کا زوال مکمل ہوتا ہے یہی زوال اقتدار سے محرومی کا پیش خیمہ ہے اور مطلق العنان ملوکیت کا قیام اسلام کے سیاسی موقف یعنی کلمہ طیبہ کی بنیاد پر معاہدہ عمرانی سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ مگر یہاں اس التباس کا رفع کرنا ضروری ہے کہ خلافت راشدہ میں مطاع کے برسر اقتدار آنے کے تین طریقے یعنی عام انتخاب، نامزدگی اور مجوزہ چند ناموں میں سے ایک کا انتخاب . . . . . . لیکن اس کے طریقے کی آڑ میں جمہوری طریق انتخاب کے جواز پر سیاسی جماعتوں کا اصرار اسلامی ریاست کے قیام کی ضمانت نہیں رکھتا اسلامی ریاست کا قیام "معاہدہ عمرانی" سے وجود میں آتا ہے جس کی صورت "بیعت" ہے بیعت مطاع اور مطیع دونوں کے لیے منزل من اللہ احکام کے یکساں واجب التعمیل ہونے کا معاہدہ ہے۔

مغربی دنیا میں مطلق العنان ملوکیت سے آئینی ملوکیت کی طرف اور آئینی ملوکیت سے جمہوریت کی طرف آنا بصورت اقدام وخطا ارتقاء کی حیثیت رکھتا ہے اور ہمارا خلافت راشدہ سے معاہدہ عمرانی کے ساتھ ملوکیت کی طرف آنا اور بغیر معاہدہ عمرانی کے مطلق العنان ملوکیت کی طرف آنا زوال کی حیثیت رکھتا ہے پھر اگر ہم اس زوال کا مداوا دور جدید کی پیروی میں جمہوریت کے ذریعہ کرنا چاہیں جس میں کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی کے بغیر کسی سیاسی عمل پر اصرار ہو تو کیا یہ اسلام سے انحراف کی راہ پر چلنے کے لیے بضد ہونا نہیں ہے !! ! اگر جمہوری نظام میں مطاع کو بدلا جاسکتا ہے تو کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی (بیعت) سے وجود میں آنے والے "مطاع" کو برطرف کرنا اور زیادہ اہم اور سہل ہو جاتا ہے۔ مگر ہمارے سیاسیین کی بے کرداری معاہدہ عمرانی کی خلاف ورزی کے باوجود اقتدار سے ہٹا دئے جانے کی روادار نہیں ہے اور چونکہ ہوس اقتدار کو پورا کرنے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمہوریت ہی سے راہ ہموار ہوتی ہے۔ اس لئے یہی اُن کی آخری پناہ گاہ ہے۔

ریاست ایک انسانی ادارہ ہے جو معاہدہ عمرانی ہی سے وجود میں آتا ہے اور مطاع نامشہود معاہدہ عمرانی کا فریق نہیں بن سکتا انسانی ادارے کے قیام کے لیے مطاع اور مطیع دونوں کا انسان ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالےٰ کی پوری کائنات کی حاکمیت کو جو ایک مابعد الطبیعیاتی تصور ہے سیاسی تصور کے طور پر اختیار کرنے کا محرک صرف یہی ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باذن اللہ مطاع مطلق ہونے کا قلادہ اپنی گردن سے نکال دیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے نام سے تعبیر کا حق جمہوری نظام کے تحت اقتدار میں آنے والے مطاع کو حاصل ہو جائے یہی اس دور میں پوری دنیا میں ہو رہا ہے بلکہ اس دور میں پورے عالم پر ویسی ہی ایک بھیانک اور تاریک تر جاہلیت چھائی ہوئی ہے جس سے نکالنے کے لیے دورِ رسالت میں کامیاب جدوجہد کی گئی تھی۔ اب بھی ویسی ہی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

سورۃ فاتحہ سے ابتدا کی جائے تو اس میں تین جزو نمایاں ہیں؛

۱۔ ذات وصفات باری کا اثبات۔

۲۔ عبادت واستعانت کا اقرار اور ہدایت کی دعا (اھدنا الصراط المستقیم)

یہ دعا، بامعنی اور بامقصد صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب اس دعا، کا محتوی مقصودِ بعثت کو پانے کی ہدایت ہو آج زندگی جس ضلالت میں گرفتار ہے وہ دین حق پر جاہلیت کا غلبہ ہے جسے غلبہ دین حق سے بدلنا مطلوب ہے۔ اس کا ایک پہلو نظام عدل کا قیام ہے جب تک کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی کے قیام سے فلاحی ریاست وجود میں نہ آئے جس کے نتیجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مطاع اور مطیع دونوں کے لیے مُنزّل من اللہ احکام یکساں واجب التعمیل نہ ہو جائیں عدل گستری جو عبارت ہے ایتائے حقوق سے دنیا کی کسی ریاست کی عدالت میں متصور نہیں ہو سکتی۔

اللہ پاک فرماتا ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الظالمون۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون

آج بھی جاہلیت کے غلبے کو دینِ حق سے بدلنا مطلوب ہے۔ جن کے لیے پیغمبرانہ رہنمائی ضروری ہے پیغمبرِ اسلام نے علم بالوحی کی رہنمائی میں عرب کے جاہلی معاشرے کو اسلام کے مثالی معاشرے میں بدل دیا۔ اب اگر ہم اپنے بگڑے ہوئے معاشرے کو انہی خطوط پر بدلنا چاہیں تو ہمیں مثالی اسلامی معاشرے کی مندرجہ ذیل خصوصیات کو پیشِ نظر رکھنا ہو گا۔ یعنی؛

۱۔ نوعِ انسانی کی وحدت کا تصور

۲۔ یہ کہ معاشرہ اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الاصل افراد پر مشتمل ہو۔

۳۔ یہ کہ ان افراد کی جدوجہد کا مقصود یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہیں اور

۴۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت اور آپؐ سے غیر منقسم وفاداری اس معاشرے کے استحکام کی بنیاد ہو تاکہ شرک فی النبوۃ سے

لہ المائدہ ۴۴، ۴۵، ۴۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہونیوالا اختلال فرقہ پرستی کی شکل اختیار نہ کرسکے کیونکہ
فرقہ پرستی عبارت ہے

● ۔ بے جان عقائد، مردہ رسوم، مفاد پرستانہ گروہ بندیوں کو پیغمبرانہ راہِ حق
پرستی، اتحاد بین الفرق کو کفر اور فرقہ پرستانہ منافرت کے
اظہار کو دینی حمیت کا تقاضا سمجھنے سے۔

کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی یعنی و اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (جس کے بغیر اسلامی ریاست کا تصور بھی نہیں ہوسکتا) انتخاب سے نہیں "بیعت" سے وجود میں آتا ہے اور جمہوریت کے پرستار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ مطاع مطلق ہونے کی نفی کرکے اپنے واسطے سے خدا کی اطاعت چاہتے ہیں۔

ورائے محسوسات کوئی حقیقت ہے ہی نہیں

جمہوریت پرست حسیت کی بنیاد پر وجود باری کی نفی کرتے ہوئے پارلیمانی نظام کی صورت میں الوہیت قائم کرکے برطانوی پارلیمنٹ کی طرح کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں "سدومت" قانوناً روا ہے۔ یہ سب کچھ بین الاقوامی سطح پر باطل کے غلبے کے یقین کو پسند کرکے اس کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

انفرادی زندگی کے تینوں پہلوؤں (یعنی فکری، ایمانی اور اخلاقی) کی اصلاح انسان مرتضےٰ بننے کے نصب العین پر منحصر ہے جس کے حصول کا ضامن لائحہ عمل

لہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیفۂ انقلاب سے میسر آتا ہے۔ اجتماعی زندگی کے تینوں پہلوؤں یعنی معاشرتی، معاشی، سیاسی کی اصلاح ایک مثالی معاشرے کے قیام کو نصب العین بنا کر اس کے حصول کی جدوجہد سے وابستہ ہونے پر منحصر ہے اور یہ جدوجہد حتماً قطعاً متصور نہیں ہو سکتی۔

نیز عمرانی وحدت کے شعور کی بنیاد اقرار توحید و رسالت ہو یعنی کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی سے پیدا ہونے والی ریاست میں اخلاق اور معیشت کے ناگزیر تعلق کی بنا پر نظامِ عدل کا قیام عمل میں آ سکے گا۔

بہرحال ہر سطح پر ایک عملی اساس درکار ہے انفرادی سطح پر عملی اساس فطرت انسانی کی ثنویت (بالفعل فطرت اور بالقوہ فطرت) ہے، اجتماعی سطح کی عملی اساس انسان کا اس حد تک فطرتاً عمرانی الطبع ہونا ہے کہ انسان بغیر معاشرے کے نہ وجود میں آ سکتا ہے نہ باقی رہ سکتا ہے نہ ترقی کر سکتا ہے صرف مر سکتا ہے بین الاقوامی سطح کے نصب العین کے لیے عملی اساس امن و عافیت کی آرزو ہے جس سے بین الاقوامی زندگی کی اُس خاصیت نے محروم کر دیا ہے جو عداوت و عناد اور اس کے جوابی عمل یعنی جنگ در جنگ کا مظہر ہے، اس امر کو پرکھنے کا معیار وہ احکام ہیں جو زندگی کے انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی مقاصد سے متعلق ہیں۔

اس عمل کے لیے نمونہ کمال بعثت سے ہجرت تک، ہجرت سے فتح مکہ تک اور فتح مکہ سے حجۃ الوداع تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد ہے جو اسوۂ مبارک کی حیثیت رکھتی ہے۔

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور تکذیب کا تضاد وہ محرک ہے جو زندگی کی کسی سطح پر جدوجہد سے انحراف کرنے میں حائل ہے۔ اگر جدوجہد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں استقامت نہ رہے تو تکذیب کی قوتیں تصدیق کے علمبرداروں پر غالب آجاتی ہیں ہر جدوجہد سے پہلے یقین ضروری ہے جس کے بغیر جدوجہد نہیں ہو سکتی اور ایک یقین وہ ہے جو کامیابی کے بعد راسخ ہوتا ہے۔ پہلا یقین ایمان بالغیب ہے جس کا تعلق غیب الارض سے ہے یہ اس سیاسی غلبہ اور معاشی آسودہ حالی کا یقین ہے جو ابھی نظروں سے اوجھل ہے۔

دوسرے یقین کا تعلق غیب السموات سے ہے یعنی اللہ تعالےٰ کے باب میں بیدہ الخیر وھو علی کل شیٔ قدیر اور ایسے لاشریک وجود واحد کے ہونے کا یقین جس کے مقابلے میں باطل کی کوئی حیثیت نہ ہو یہ یقین ایک مسلسل عمل کا طلب گار ہے جو باطل کی شکست تامہ پر منتج ہو کیونکہ جب تک باطل کی طرف سے مزاحمت ہو رہی ہے نہ اس کے وجود کا انکار ہو سکتا ہے نہ مؤثر ہونے کا۔ احقاقِ حق اور ابطال باطل کے لیے باطل کا وجود ضروری ہے اور ایمان باللہ کے راسخ ہونے کی شرط یہ ہے کہ باطل کو مکمل شکست دی جائے۔ اور باطل کی مکمل شکست کے لیے انقلابی جماعت کے ایمان کی آبیاری کی جائے جس کے لیے ایمان بالغیب کی اساس متعین کرنا ضروری ہے۔

ایمان بالغیب کی ایک اساس

غایت تخلیق، غایت بعثت، غایت نزول قرآن کا ایک ہی غایت ہونا اور دوسرے مندرجہ ذیل کائناتی قوانین؛

۱۔ قانونِ نشوونما یعنی وجعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین مجرم پیغمبرانہ دعوت کی مزاحمت کریں گے اور اصحاب ایمان کی طرف سے مزاحمت کی مزاحمت ہوگی تو دعوت کامیاب ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- تاریخی قانون، اس دعوت سے دو جماعتیں وجود میں آئیں گی حزب اللہ اور حزب الشیطان حزب اللہ ہی غالب رہے گی اس کی ضمانت کائناتی قانون سعادت وشقاوت میں ہے جس کی حیثیت تیسرے قانون کی ہے۔

قد افلح من زکھا وقد خاب من د سّھا۔

اس قانون کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے غلبہ حق متعین ہوتا ہے کیونکہ جس کا نفس حرص ولالچ سے پاک ہو جاتا ہے وہ دوسروں کو نشوونما دیتا ہے۔ لہٰذا فلاح پاتا ہے اور جس کا نفس حرص ولالچ میں مبتلا رہتا ہے وہ نشوونما فیض رسانی اور نفع بخشی کو اپنے مروجہ مفاد کی خاطر روکتا ہے لہٰذا ناکام ہوتا ہے۔

یہ تینوں قوانین باہمد گر مربوط ہیں اور صرف انہی قوانین میں ہر جدوجہد کے کامیاب ہونے کی ضمانت ہے نظام عدل کا قیام پیغمبرانہ مقاصد کے لیے انقلاب کا طلب گار ہے اور اس دور میں اقدار کی تباہی فرد کی جانب سے نہیں ہو رہی بلکہ معاشرہ اجتماعی نظام کی خرابی سے تباہ ہو رہا ہے اور اجتماعی زندگی بین الاقوامی فساد کے باعث تباہ ہو رہی ہے یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام، باوجودیکہ کرہ ارض کی ایک تہائی آبادی اور سنتالیس مقتدر ریاستوں پر مشتمل ہے متحد نہ ہونے کی بناء پر مغلوب ہے اور نظام عدل کے قیام سے قاصر ہے اس کا علاج یہ ہے کہ مسلم امت غلبہ دین حق کے لیے متحد ہو کر اپنے خلاف تضاد کو دعوت دے اس طرح وہ انقلاب کے قرآنی لائحہ عمل پر کاربند ہونے کا شعور پیدا کرے گی اور نظام عدل کا قیام بھی اسی شعور کا ایک ناگزیر حصہ اگرچہ تفصیلات کے لحاظ سے دوسرے مروج نظامہائے عدل سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

© rasailojaraid.com